© rasailojaraid.com

اندر انسانیت کی فلاح وترقی اور خوش حالی کا بڑا ساماں رکھتی ہے، اس کے باوجود انسانوں کی بہت بڑی اکثریت فی الوقت ان فوائد سے محروم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی نظام غیر منصفانہ ہے۔ ایسی دنیا میں عالمگیریت کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ کمزوروں کو مزید نقصانات کا سامنا کرنا پڑے اور طاقت وروں کو مزید فائدے حاصل ہوتے رہیں۔ یہ مسلسل استحصال نہ صرف انسانیت کے مصائب اور مشکلات کو بڑھاتے چلے جانے کا سبب ہے اور اس کے نتیجے میں بین الاقوامی تصادم کا خطرہ بڑھ رہا ہے بلکہ درحقیقت یہ تصادم شروع ہو چکا ہے۔ سماجی اقتصادی عدل، عالمی امن کے لیے لازمی ضرورت ہے۔ لہٰذا عالمگیریت کی موجودہ ہمہ گیر لہر کو لازماً ان بنیادی اخلاقی اصولوں کے تابع کیا جانا چاہیے جن کی تعلیم مختلف مذاہب خصوصاً اسلام میں دی گئی ہے۔

اس خاص شمارہ کی تیاری کے لیے جن ساتھیوں کا شکریہ خاص طور پر واجب ہے ان میں جناب ثروت جمال اصمعی، متقین الرحمٰن، فرقان کاکڑ شامل ہیں جن کا تعاون مختلف مراحل میں حاصل رہا۔

مدیران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بین الاقوامی مالیاتی استحکام: اسلامی مالیات کا کردار*

محمد عمر چھاپرا

سود کے بارے میں بحث مباحثہ ایسی چیز ہے جس کی جڑیں تاریخ اور اس کے ساتھ ساتھ مذہب میں بھی بہت گہری ہیں۔ ایسا کیوں ہے کہ محض اسلام ہی نہیں، بلکہ ہندومت، یہودیت اور عیسائیت سمیت کئی دوسرے بڑے مذاہب نے بھی سود کو ممنوع ٹھہرایا ہے؟ حتیٰ کہ بعض فلسفیوں مثلاً سقراط نے بھی سود کے جواز پر سوالات اٹھائے ہیں۔ اس کے باوجود آج کے دور میں سود بہت بڑے پیمانے پر جاری وساری ہے، اس لیے یہ بات فطری ہے کہ لوگ ان عظیم مذاہب میں سود کے ممنوع ٹھہرائے جانے کے عقلی اسباب کے بارے میں پوچھیں۔ اس کا جواب مختصراً یہ ہے کہ یہ انسانیت کو کئی مختلف طریقوں سے نقصان پہنچاتا ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی نظام میں پائے جانے والے عدم استحکام اور ناہمواریوں کا بڑی حد تک یہی ذمہ دار ہے۔ اور ہماری اس گفتگو کا محور یہی ہے۔

یہ بات عام طور پر معروف ہے کہ پچھلے تین سے چار عشروں کے دوران دنیا کو متعدد مالیاتی بحرانوں کا تجربہ ہوا ہے۔ اس کا آغاز ۱۹۷۱ء میں ڈالر کی قدر میں کمی کیے جانے سے چند برس قبل ہوا جب بیرونی زرمبادلہ کے بازار انتہائی غیر مستحکم ہو گئے تھے۔ یہ بحران ڈالر کی قدر میں دوبارہ کمی اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے آرٹیکل آف ایگریمنٹ میں ترمیم کے باوجود جاری رہا۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء میں

---

* یہ مقالہ ۲۰۰۵ء میں لکھا گیا تھا اور اس کا بنیادی موضوع آنے والے عشروں میں رونما ہوتے نظر آنے والے بڑے مالیاتی بحران تھے۔ دنیا ان دنوں اپنے آپ کو ایک نئے بحران میں گھرا پاتی ہے، بالخصوص امریکا کی مالیاتی منڈیوں میں، جسے ۱۹۳۰ء کی عظیم کساد بازاری کے بعد بدترین قرار دیا جا رہا ہے۔ اس بحران کی جڑیں ان ہی سابقہ بحرانوں کی جڑوں کی مانند ہیں جن کی نشان دہی ڈاکٹر چھاپرا نے اس مقالے میں کی ہے۔ اخذ کردہ نتائج بھی ویسے ہی ہیں جن کی طرف ڈاکٹر چھاپرا نے اشارہ کیا ہے۔ نوبل انعام یافتہ جوزف اسٹگلز کے الفاظ میں، موجودہ بحران مالیاتی شعبے میں ''بددیانتی کا پھل'' ہے۔ (گارڈین، ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۸ء)۔ مدیران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکا کا اسٹاک مارکیٹ تباہ ہوگیا۔۱۹۹۰ء میں جاپان کے اسٹاک مارکیٹ کو زبردست بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔۹۳-۱۹۹۲ء میں یورپی شرح مبادلہ کا نظام (ERM) ٹوٹ پھوٹ سے دوچار ہوا۔ ۱۹۹۷ء میں مشرقی ایشیا کا بحران سامنے آیا۔۱۹۹۸ء میں روسی بحران رونما ہوا۔امریکا نے ۱۹۹۸ء میں فنڈز کے بحران کا سامنا کیا، جبکہ ۱۹۹۹ء میں برازیل کو شرح مبادلہ کے بحران سے سابقہ پڑا۔ یہ ان بحرانوں میں سے محض چند ہیں جن سے اس عرصے میں دنیا دوچار ہوئی۔ ان سب نے بے چینی کا یہ احساس پیدا کیا کہ بین الاقوامی مالیاتی نظام میں کوئی چیز بنیادی طور پر غلط ہے۔ لہٰذا ایک ''نئی تعمیر'' وقت کی ضرورت ہے۔

نئی تعمیر کا کوئی نقشہ اس وقت تک تیار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ ان بحرانوں کے اسباب یا حتمی سبب کا تعین نہ کرلیا جائے۔ یہ کہنا کہ ان بحرانوں کا ایک ہی سبب ہے، انتہائی سادگی ہوگی۔ اس کے باوجود یہ کہنا خلاف حقیقت نہیں ہوگا کہ اس کا ایک بڑا سبب، 'تمام اسباب کا ایک سبب'، ضرور ہے۔ اس گفتگو کا مقصد اس ''اُمّ الاسباب'' سبب کی نشان دہی کی کوشش ہے۔

بحران کی جڑیں

کئی ماہرین معاشیات اس بات کا تعین کرنے کی کوشش کرچکے ہیں کہ یہ بحران کیوں واقع ہوئے۔ بعض نے سمجھا کہ یہ بحران ایسے ماحول میں مالیاتی لبرلائزیشن کی وجہ سے واقع ہورہے ہیں جس میں غیر مناسب قوانین اور درست نگرانی نہ ہونے کے باعث بہت سے ملکوں کے مالیاتی نظام محفوظ نہیں ہیں۔[1] جبکہ کچھ دوسرے لوگ محسوس کرتے ہیں کی حتمی وجہ، اثاثوں کی قیمتوں میں سٹے بازی کے بلبلے کا پھٹ جانا ہے جو ابتداً درمیانی مالیاتی واسطوں کی کثرت کی بناء پر رونما ہوا تھا۔[2] یہ دلیل بھی دی جاتی رہی ہے کہ بحران کی بنیادی وجہ قرضوں اور ان کی مدت کی تکمیل میں عدم مطابقت تھی۔ یعنی مختصر مدت کے بین الاقوامی قرضے، مختصر مدت کے اثاثوں سے کہیں زیادہ تھے۔[3] اس موضوع پر دستیاب لٹریچر ان کے علاوہ کئی دوسری وجوہ کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تمام عوامل کا اگرچہ ان بحرانوں میں کچھ نہ کچھ حصہ رہا ہے، تاہم حتمی سبب یا اُمّ الاسباب پر اب تک کوئی اتفاق رائے نظر نہیں آتا۔ اس بنیادی سبب کو درست طور پر نہ سمجھے جانے کی بناء پر متنازع علاج تجویز کیے جاتے رہے ہیں۔ اس چیز نے اصلاح کے کسی مؤثر پروگرام کے وضع کیے جانے کو مشکل بنا دیا ہے۔ چنانچہ نئی تعمیر کے لیے دی گئی تجاویز میں، روایتی دانش کے بنیادی اصولوں، اور پائیدار شرح مبادلہ کے ساتھ مستحکم میکرو اکنامک پالیسیوں پر زور، مناسب قواعد وضوابط، بہتر نگرانی اور زیادہ شفافیت وغیرہ کے سوا کچھ اور نہیں پیش کیا جاسکا ہے۔[۴] یہ اصول بلاشبہ ناگزیر ہیں، کیونکہ آخری تجزیے میں، تمام بحرانوں کی جڑیں غیر صحت مند زری، مالیاتی اور شرح مبادلہ کی پالیسیوں میں ہیں۔ لہٰذا کسی نے کبھی ان اصولوں کے دیانت داری سے نفاذ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا۔ اس کے باوجود یہ اصول پامال کیے جاتے رہے اور کیے جارہے ہیں۔

ان اصولوں کی مسلسل خلاف ورزی ذہن میں متعدد سوالات ابھارتی ہے۔ پہلا سوال تو یہی ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس نے میکرو اکنامکس کی ان ناہمواریوں، زرمبادلہ کی ناپائیدار شرحوں، اور غیر صحت مند مالیاتی سرگرمیوں کے جاری رہنے کو اتنی طویل مدت سے ممکن بنا رکھا ہے؟ جبکہ ہر شخص توقع رکھتا ہے کہ روایتی دانش کے اصولوں کے دیانت داری سے نفاذ کو یقینی بنا کر، مارکیٹ ڈسپلن کو عمومی طریقے سے ان خرابیوں کی اصلاح کے قابل ہونا چاہیے۔ تاہم یہ بالکل عیاں ہے کہ مارکیٹ ڈسپلن، سرکاری شعبے کو میکرو اکنامکس کی ناہمواریوں اور نجی شعبے کو وسائل سے بڑھ کر زندگی بسر کرنے کے رویے سے بچانے کے قابل نہیں ہے۔ کیا یہ ہے وہ سبب جو بعض لوگوں کے لیے بے حد وسائل کے حصول کو ممکن بناتا ہے، جبکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ سٹہ بازی کے بلبلوں کے پھٹ جانے کی حد تک جا پہنچنے کو ممکن بنانے کا بڑا عامل یہی ہے؟ اور کیا ایسا اس ناکافی مارکیٹ ڈسپلن کی وجہ سے ہے؟

ایک دوسرا متعلقہ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا کہ بعض ایسے ملک جنہوں نے محفوظ اور مستحکم زری اور مالیاتی پالیسیاں اختیار کر رکھی تھیں، انہیں بھی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں شرح مبادلہ کے نظام کے بحران نے اس نظریے کو چیلنج کیا کہ بیرونی زرمبادلہ کے بازار کے بحران،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر منظم زری اور مالیاتی پالیسیوں سے پھوٹتے ہیں۔ اس بحران کا شکار ہونے والے بہت سے ملکوں نے زر کے غیر ضروری پھیلاؤ کی پالیسیاں نہیں اپنا رکھی تھیں۔ ۵ حتیٰ کہ مشرقی ایشیا کے ملک بھی قابل فہم طور پر غیر صحت مند میکرو اکنامک پالیسیوں کے کھانچے میں فٹ نہیں بیٹھتے تھے۔ ایک تیسرا اور یکساں طور پر اہم سوال یہ ہے کہ: آخر بظاہر نہایت منضبط مالیاتی نظام رکھنے والے امریکا اور برطانیہ جیسے ملکوں کو بھی بحرانوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟

ایک اور قریبی طور پر متعلق سوال یہ ہے کہ کیا بہتر قواعد وضوابط، نگرانی اور شفافیت بجائے خود ایسے بحرانوں سے بچاؤ میں مدد دے سکتے ہیں؟

ناکافی مارکیٹ ڈسپلن: کیا یہ بنیادی سبب ہے؟

ان سوالوں کا جواب، ان داخلی وجوہات پر نگاہ ڈالے بغیر نہیں دیا جاسکتا جو نئی تعمیر کے بنیادی اصولوں کے نفاذ میں ناکامی کا باعث بنیں اگرچہ یہ اصول روایتی دانش کا حصہ ہیں۔ اس کی پہلی وجہ، جو نظر آتی ہے، روایتی مالیاتی نظام میں مارکیٹ ڈسپلن کا ناکافی ہونا ہے۔ بینکوں میں رقوم رکھنے والوں اور بینکاروں کے شیئر کو کاروبار میں نقصان کے خطرے میں شرکت کی شرط کے ساتھ لگانے کے بجائے، یہ نظام انھیں ان کی رقوم یا قرضوں کی سود سمیت واپسی کی یقین دہانی کراتا ہے۔ اس کی وجہ سے رقوم رکھنے والے لوگ، مالیاتی اداروں کی مضبوطی کے معاملے میں کم ہی دلچسپی لیتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے بینک عملاً کسی بھی مقصد حتیٰ کہ سٹے بازی کے لیے بھی مالیاتی سہولت کی فراہمی میں ضمانتوں کی بیساکھیوں پر اعتبار کرتے ہیں۔ تاہم ضمانتیں اچھی طرح غور وخوض کے بعد تیار کیے گئے منصوبوں میں کی جانے والی سرمایہ کاری کا متبادل نہیں ہوسکتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے ضمانتوں کی قدر بھی ان ہی عوامل سے گھٹ سکتی ہے جو قرضدار کی رقم کی واپسی کی اہلیت میں کمی کا سبب بنتے ہیں۔ اس طرح مطلوبہ ڈسپلن کے نفاذ کے لیے مارکیٹ کی صلاحیت میں بھی کمی واقع ہوجاتی ہے اور یوں قرضوں کے مجموعی حجم میں غیر صحت مند پھیلاؤ، حد سے زیادہ وسائل کی فراہمی، اور وسائل سے بڑھ کر زندگی بسر کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اس نظام کا یہ رجحان، ٹیکس کے نظام کے قرضوں کی مالیات کے حق میں ہونے کی وجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے، مزید تقویت پاتا ہے، کیونکہ ڈیویڈنڈ پر ٹیکس لگتا ہے جبکہ سودی ادائیگیوں کے ساتھ، ٹیکس سے مستثنیٰ خرچ کا برتاؤ روا رکھنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

نظام کا ناکافی مارکیٹ ڈسپلن، اس بناء پر، کوئی نئی چیز بہرحال نہیں ہے۔ روایتی مالیاتی نظام کی تشکیل اور پھیلاؤ کی پوری مدت میں یہ موجود رہا ہے۔ لہٰذا پوچھا جاسکتا ہے کہ پچھلے دو عشروں میں اس معاملے میں زیادہ تیزی کیوں رہی ہے؟ جس چیز نے یہ فرق پیدا کیا وہ رقوم کے حجم میں اضافہ ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد ہونے والی تیز رفتار معاشی ترقی، اطلاعات اور مواصلات کے طریقوں میں انقلاب، اور بیرونی زرمبادلہ کی منڈیوں کی لبرلائزیشن کے نتیجے میں واقع ہوا۔ تاہم یہ پیش رفت، انسانی ترقی کا اظہار ہے، اور بحرانوں کا الزام، اس پر نہیں تھوپا جاسکتا۔ جب رقوم کا حجم کم ہوتا تھا، ان کی آزادانہ گردش پر پابندیاں تھیں، زرمبادلہ کی شرحیں متعین تھیں، تو ناکافی مارکیٹ ڈسپلن کوئی خرابی پیدا کرنے کے قابل نہیں تھا۔ مگر آج کیفیت مختلف ہے۔

اس لیے نئی ترقیوں کو الزام دینے کے بجائے، زیادہ مناسب ہوگا کہ بین الاقوامی مالیاتی نظام کی فالٹ لائن کی توجہ اور احتیاط سے جانچ پڑتال کی جائے جو مارکیٹ ڈسپلن کے نقائص کا نتیجہ ہے اور جس کا سبب خطرے میں واضح طور پر شرکت کے اصول کی عدم موجودگی ہے۔ یہی فالٹ لائن ہے جو رقم فراہم کرنے والے سرمایہ دار کے لیے حد سے زیادہ قرضے دینے اور معاشی ماحول میں خفیف ترین تبدیلی پر بھی رقوم کی تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی ممکن بناتی ہے۔ اس طرح شرح سود اور اثاثوں کی قیمت میں انتہاء درجے کی فراری کیفیت داخل ہوجاتی ہے۔ یہ چیز سرمایہ کاری کے بازار میں بے اعتمادی پیدا کرتی ہے لہٰذا اس کی جانب سے جواباً سرمایہ کی تشکیل کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے جس سے وسائل کے غلط طور پر مختص کیے جانے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔[۶] اس کے ساتھ ساتھ اس کی جانب سے قرض لینے والوں اور دینے والوں کو، قرض کے بازار کے طویل سرے سے مختصر سرے تک، ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ نتیجتاً مختصر مدت کے انتہائی طاقتور قرضوں میں زبردست اضافہ ہوا جس نے معاشی اور مالیاتی عدم استحکام کو بڑھا دیا۔ آئی ایم ایف مئی ۱۹۹۸ء کے اپنے "**ورلڈ اکنامک آؤٹ**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لک'' میں اس حقیقت کا اعتراف کر چکا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ مختصر مدت کے بلند سطحوں کے قرضوں والے ملکوں کے لیے ''داخلی اور بیرونی صدموں کے مقابلے میں خاص طور پر زیادہ غیر محفوظ ہونے اور اس بناء پر مالیاتی بحران کا شکار ہونے کا امکان ہے۔''ے

یہاں یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ قرضوں، خصوصاً مختصر مدت کے قرضوں کی سطح بلند ہونے سے عدم استحکام کے بڑھنے کی کیا وجہ ہے؟ اس کی بڑی وجوہات میں سے ایک، قرضوں کی بسہولت دستیابی، میکرو اکنامک ناہمواریوں اور مالیاتی عدم استحکام کے درمیان قریبی تعلق ہے۔ قرض کی بسہولت دستیابی، سرکاری شعبے کے لیے زیادہ قرضوں کا حصول ممکن بناتی ہے۔ نجی شعبہ بھی اپنے وسائل سے بڑھ کر جینے اور بہت زیادہ قرضے حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اگر قرضے پیداواری طور پر استعمال نہ کیے جائیں تو قرضوں کے سود اور اصل کی ادائیگی کی صلاحیت قرضوں کے تناسب سے نہیں بڑھتی۔ اس کے نتیجے میں مالیاتی ابتری اور قرضوں کا بحران رونما ہوتا ہے۔ مختصر مدت کے قرضوں پر انحصار جتنا زیادہ ہوگا، اور لیوریج جتنا بلند ہوگا، بحران اتنا ہی شدید ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک قرض دینے والے کا تعلق ہے تو مختصر مدت کا قرض آسانی سے منسوخ کیا جا سکتا ہے، لیکن قرضدار کی طرف سے اس کی واپسی مشکل ہوتی ہے۔ ایسا اس صورت میں خاص طور پر ہوتا ہے جب قرض کے طور پر لی گئی رقم، نقصان کا سبب بننے والے قیاسی اثاثوں، یا درمیانی یا طویل مدت کی سرمایہ کاری میں بارآوری کی لمبی مدت کے ساتھ پھنس جائے۔

اگرچہ ممکن ہے کہ مختصر مدت کے قرض پر مشتمل ایک معقول رقم کے معاملے میں، جو سرمایہ کاری یا حقیقی اشیاء و خدمات کی فروخت کے لیے استعمال کی جائے، بنیادی طور پر کوئی قباحت نہ ہو، تاہم حد سے زیادہ رقم دستیاب ہو تو اس کے غیر پیداواری مصارف کے ساتھ ساتھ بیرونی زرِ مبادلہ کے سٹے اور، اسٹاک اور پراپرٹی مارکیٹوں کی جانب منتقل ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ یورپین سنٹرل بینک کے صدر Jean-Claude Trichet نے بالکل درست نشان دہی کی ہے کہ ''ایک بلبلے کے پروان چڑھنے کے امکانات اس صورت میں زیادہ ہوتے ہیں جب سرمایہ کار ادھار کی رقوم سرمایہ کاری میں لگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی سہولت رکھتے ہیں۔"[8]

دلائل کو زیادہ واضح کرنے کے لیے میں چار مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں جو یہ ہیں:

۱۔ مشرقی ایشیا کا بحران

۲۔ طویل مدتی کیپٹل مینجمنٹ کے حفاظتی فنڈ کا انہدام

۳۔ بیرونی زرمبادلہ کی منڈی کا عدم استحکام

۴۔ امریکی معیشت کی نمایاں ناہمواریاں

ان مثالوں سے یہ واضح کرنے میں مدد ملے گی کہ قرضوں کی آسان دستیابی اور اس کے نتیجے میں قرضوں، خصوصاً مختصر مدت کے قرضوں میں تیزی سے اضافہ، فنانشل مارکیٹوں میں خطرے میں حصہ داری کے نہ ہونے کی وجہ سے جنم لینے والے ناکافی مارکیٹ ڈسپلن کا نتیجہ کیوں ہیں۔

مشرقی ایشیا کا بحران: ایسٹرن ٹائیگر کہلانے والے ممالک، گلوبل معیشت کی کامیابیوں کی روشن مثالوں میں سے تصور کیے جاتے تھے۔ ان کی گھریلو بچتوں اور سرمایہ کاری کی شرحیں بہت بلند جبکہ افراط زر کی شرح پست تھی۔ وہ صحت مند مالیاتی پالیسیوں پر کاربند تھے جو بہت سے ترقی پذیر ملکوں کے لیے قابل رشک ہوسکتی تھیں۔ چونکہ مالیاتی عدم استحکام کے بڑے اسباب میں سے ایک حکومت کے خسارے کو بونڈز یا متعین سود والے اثاثوں سے پورا کیا جانا ہے،[9] اس لیے انہیں، ان ملکوں کے مالیاتی نظم وضبط کو ایسے عدم استحکام سے بچانے میں مددگار ثابت ہونا چاہیے تھا۔ تاہم ایسا نہیں ہوا۔ ان ملکوں میں مقامی بینکوں کی جانب سے، نجی شعبے کو مقامی کرنسی میں بینک قرضوں کی فراہمی میں تیز رفتار اضافہ ہوا۔ اس کی بنیاد مقامی بینکوں کو بیرونی ملکوں سے بیرونی کرنسی میں آسانی سے ملنے والے مختصر مدت کے قرضے تھے۔ اس چیز نے اسٹاک اور پراپرٹی مارکیٹوں میں سٹے کی بنیاد پر زبردست گرما گرمی پیدا کردی، جس نے غیر معقول تیزی کے رجحان کو جنم دیا اور اثاثوں کی قیمتوں کو ان کی حقیقی قدر سے کہیں زیادہ بڑھا دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیرون ملک سے زر مبادلہ کے اس سیلاب نے مرکزی بینکوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ زر مبادلہ کی شرحوں کو کھونٹے سے باندھ دیں۔ یہ چیز بیرونی بینکوں کو قرضوں کی فراہمی کے لیے درکار یقین دہانی مہیا کرنے میں مددگار بنی۔ سود کی نسبتاً بلند مقامی شرحیں، اثاثوں کی منڈی میں جاری تیزی کی بناء پر مزید سرمایہ کاری کے لیے بیرون ملک سے بیرونی کرنسی میں رقوم کی مزید آمد کا سبب بنیں۔ چنانچہ پانچ شدید طور پر متاثرہ ملکوں (جنوبی کوریا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ملائشیا اور فلپائن) میں تقریباً ۶۴ فی صد سرمائے کا بہاؤ مختصر مدت کے قرضوں پر مشتمل تھا،[۱۰] یہاں قرضوں کی مدت کی تکمیل اور کرنسی میں شدید عدم مطابقت تھی۔ اس چیز نے، منظور نظر کمپنیوں کو بھاری قرضے فراہم کرنے کے لیے، سیاسی کرپشن اور بینکاری کے غیر مؤثر قواعد وضوابط سے ملی بھگت کر لی اور ان اسباب نے تمام حدود کی پامالی کے لیے سازگار ماحول مہیا کر دیا۔

یوں ان کمپنیوں کی تیز رفتار ترقی روایتی بینکوں سے رقم کی آسان دستیابی کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ ایسا نظام جس میں نفع اور نقصان میں شرکت نہ پائی جاتی ہو، اس میں تجارتی بینکوں پر بالعموم منصوبوں کی گہری چھان بین کے لیے کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔ پوشیدہ خطرات کا پوری طرح اندازہ لگانے کی کوشش کے بغیر محض ضمانت کی بنیاد پر قرض کا اجراء پرانی غلطی کا اعادہ ہے۔ نقصان میں شرکت بینکوں کو، زیادہ احتیاط اور توجہ سے، منصوبوں کو پرکھنے کے حوالے سے ذمہ دار بنا سکتی ہے۔ اگر وہ سمجھتے ہوں کہ منصوبے بہت زیادہ پر خطر ہیں تو وہ سیاسی دباؤ کے سامنے بھی نہیں جھکیں گے۔

لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے مضبوط منطقی بنیاد موجود ہے کہ مختصر مدت کے قرضوں کے حد سے زیادہ اجراء کی اہم ترین وجوہات میں سے ایک، بینک اور رقم جمع کرانے والے افراد، دونوں کی جانب سے نقصان میں عدم شرکت کی وجہ سے رونما ہونے والا ناکافی مارکیٹ ڈسپلن تھا۔ نظم و ضبط کے ذمہ داروں کے لیے ایسا ڈسپلن نافذ کرنا اس وقت تک بہت مشکل ہے جب تک کہ خود مارکیٹ میں کام کرنے والوں کو اس کے لیے درست طور پر تیار نہ کیا جائے۔ اس کے راستے میں جمع شدہ رقوم کی واپسی، یعنی اصل رقم کی پیشگی متعین شرح سود کے ساتھ واپسی کی یقین دہانی حائل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منفی صورت حال رونما ہوتے ہی رقوم کے بہاؤ کا رخ الٹا ہوگیا۔[11] ایسے دھچکے قرض لینے والے ملک کی بیرونی زرمبادلہ میں قرض واپس کرنے کی اہلیت کے حوالے سے بے اعتمادی کا سبب بنتے ہیں۔ بیرونی زرمبادلہ کی تیز رفتار واپسی نے زرمبادلہ کی شرحوں اور اثاثوں کی قیمتوں میں شدید کمی کی راہ ہموار کی۔ ان ملکوں میں مقامی کرنسی میں بھی قرض کی قدر میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ نجی شعبے کے قرض دار، جن سے توقع تھی کہ وہ مقامی کرنسی میں اپنے قرضے واپس کریں گے، طے شدہ نظام الاوقات کے مطابق قرض کی رقوم واپس کرنے کے قابل نہ رہے۔ ان ملکوں میں مقامی بینکاری کا بحران رونما ہوا جس نے بیرونی بینکوں پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے، اس کی وجہ بیرونی ذمہ داریوں کی تکمیل میں مقامی بینکوں کی نااہلی تھی۔ یہ سب نہیں ہوسکتا تھا اگر معاملہ نفع نقصان میں شرکت، حتیٰ کہ درمیانی یا طویل مدت کے قرضوں کا ہوتا۔

حکومتوں کے پاس ان حالات میں دو ہی راستے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ٹیکس دہندگان کی بھاری رقوم کی قربانی دے کر مقامی بینکوں کو مشکل سے نکالا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ مسئلہ بن جانے والے بینکوں کو ناکامی کا اعلان کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ دوسرا راستہ بالعموم سیاسی طور پر قابل عمل نہیں سمجھا جاتا خواہ ماہرین کی رائے اس کے برعکس ہو۔[12] اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مالیاتی نظام میں جو، اصولی طور پر، جمع کرائی گئی رقوم کی سود کے ساتھ واپسی کی ضمانت دیتا ہے، حکومت کے لیے اس اصول کی خلاف ورزی کی اجازت دے کر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانا کوئی پسندیدہ بات نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ، ایک مفروضہ یہ بھی ہے کہ اگر بڑے بینکوں کو ناکام ہونے کا اعلان کرنے کی اجازت دے دی جائے تو ایک وبائی مرض کی طرح پھیلنے والے اس اقدام کے اثرات کے نتیجے میں مالیاتی نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ اس طرح معیشت مسلسل سنگین منفی حالات سے دوچار رہے گی۔ ''زیادہ بڑے زیادہ ناکام'' نظریات کی بنیاد یہی ہے۔ چنانچہ حکومتیں عموماً بینکوں کو مالی مدد کے ذریعے مشکل سے نکالنے والے پہلے راستے کو سیاسی طور پر زیادہ محفوظ سمجھتی ہیں۔

مشرقی ایشیا کے بحران سے نمٹنے والی حکومتوں کو جس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ تھا کہ وہ بیرونی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بینکوں کو اس صورت حال سے نجات کس طرح دلائیں جبکہ مقامی بینکوں پر بیرونی بینکوں کے واجبات بیرونی زر مبادلہ میں تھے اور بیرونی بینکوں کے واجبات کی ادائیگی کے لیے جس قدر زر مبادلہ درکار تھا، ان ملکوں کے مرکزی بینکوں کے پاس اس مقصد کے لیے اس قدر زر مبادلہ موجود نہیں تھا۔ ان کے بیرونی زر مبادلہ کے ذخائر تیزی سے گھٹ چکے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ وہ کسی بیرونی ادارے سے امداد حاصل کریں۔ اس امداد کی فراہمی کے لیے آئی ایم ایف کی جانب دیکھا گیا۔ اس چیز نے فطری طور پر ان لوگوں کی جانب سے نکتہ چینی کا طوفان برپا کر دیا جو بینکوں کے واجبات حکومتوں کی طرف سے ادا کر کے انہیں مشکل سے نجات دلانے کے طریقے کے خلاف تھے۔ ان حالات میں یہ مطالبہ سامنے آیا کہ آئی ایم ایف میں اصلاحات کی جائیں اور اس کے کردار کو کم کیا جائے۔[۱۳] تاہم آئی ایم ایف کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ اس پر اس کے بااثر ارکان کی جانب سے، جن کے بینک مشکل میں تھے، زبردست دباؤ تھا۔ وسائل کی فراہمی سے آئی ایم ایف کا انکار پورے بین الاقوامی مالیاتی نظام کو غیر مستحکم کر دیتا۔ اس لیے اس نے دباؤ کے سامنے سر جھکا دیا۔ تاہم اس کے نجات دلانے کے عمل نے غیر ارادی طور پر قرضوں کا بوجھ نجی بیرونی بینکوں سے متاثرہ ملکوں کی حکومتوں کے مرکزی بینکوں کو منتقل کر دیا۔ نوبل انعام یافتہ Joseph Stiglitz نے بڑی دانش مندانہ بات کہی ہے کہ ''نجی قرضوں کو سرکاری قرضوں میں نہیں بدلا جانا چاہیے .... یہ غلطی بہت سے مواقع پر کی جاتی رہی ہے جس کا نتیجہ مغربی بینکوں اور حکومتوں کے دباؤ کی شکل میں سامنے آتا ہے۔''[۱۴] ایک اور نوبل انعام یافتہ ماہر، پروفیسر جیمز ٹوبن نے بھی یہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''جب نجی بینک اور کاروبار اس قابل ہوتے ہیں کہ جتنی بھی رقم جس مدت کے لیے بھی اور جس کرنسی میں بھی چاہیں بطور قرض حاصل کر لیں تو وہ اپنے ملک کے زر مبادلہ کے محفوظ ذخائر پر مستقبل میں دعووں کا بندوبست کر رہے ہوتے ہیں۔''[۱۵]

مشرقی ایشیائی ملکوں میں مختصر مدت کے قرضوں کے بہاؤ پر حد سے زیادہ انحصار کے معاملے پر اس گفتگو کو اس غلط تاثر کا سبب نہیں بننا چاہیے کہ صنعتی ملکوں میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہ سب ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملکوں میں بھی، اس حقیقت کے باوجود ممکن ہے کہ وہ بہتر قواعد وضوابط اور نگرانی پر مبنی بینکاری نظام رکھتے ہیں۔ آئی ایم ایف ایسے امکانات کی موجودگی سے متنبہ کرتے ہوئے واضح طور پر کہہ چکا ہے کہ ''وجوہات کچھ بھی ہوں، بہرکیف، منڈی میں تیزی اور مندی کے محرکات، موجودہ منڈیوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، اور یہ سمجھنا خلاف حقیقت ہوگا کہ وہ کبھی بھی مکمل طور پر خطرے سے باہر ہوں گے۔''[16]

طویل مدتی کیپٹل مینجمنٹ کے حفاظتی فنڈ کا انہدام: ہم اب دوسری مثال تک آ گئے ہیں۔ یہ ۱۹۹۸ء میں یو ایس ہیج فنڈ، ایل ٹی سی ایم کی تباہی سے متعلق ہے۔ اس کی ضرورت بھی مختصر مدت کے قرضوں کی بہتات کی وجہ سے پڑی تھی۔ اگرچہ ''ہیج فنڈ'' (حفاظتی فنڈ) کے نام سے خطرے کے کم کیے جانے کا ذہن میں خیال آتا ہے، لیکن ''ہیج فنڈز اپنے ظاہری نام کے بالکل برعکس کام کرتے ہیں یعنی سٹہ کرتے ہیں''[17] ''وہ غارت گر سٹے بازوں سے زیادہ کچھ نہیں جو شرط جیتنے کے لیے بڑے پیمانے پر قرضے دیتے ہیں۔''[18] یہ ہیج فنڈز اکثر قواعد وضوابط کی پابندیوں سے آزاد ہوتے ہیں اور لیوریج یا شارٹ سیلز پر عائد قیود کی پابندی نہیں کرتے۔ وہ ایک ہی فرم، صنعت یا شعبے میں بیک وقت متعدد مناصب حاصل کرنے میں آزاد ہوتے ہیں، حالانکہ ایسے اختیارات اگر دوسرے مالی اداروں کے منتظمین حاصل کریں تو اسے حکمت اور احتیاط کے منافی سمجھا جاتا ہے۔[19] اس لیے وہ اپنے مفادات کے مطابق منتخب کی گئی سرمایہ کاری یا تجارت کی حکمت پر عمل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں، اس بات کا مناسب طور پر خیال رکھے بغیر کہ دوسروں پر ان کا کیا اثر ہوگا۔

ایک قوی شبہ یہ پایا جاتا ہے کہ یہ ہیج فنڈز جداگانہ طور پر کام نہیں کرتے۔ اگر وہ کام کریں تو غالباً وہ زیادہ منافع حاصل نہیں کر سکیں گے، اور جن خطرات کا انہیں سامنا کرنا پڑے گا وہ بھی زیادہ بڑے ہوں گے۔ اس لیے وہ بالعموم دوسروں سے مل جل کر کام کرتے ہیں۔ یہ اس لیے ممکن ہوتا ہے کیونکہ ان کے منتظمین اعلیٰ ان ہی کلبوں میں جاتے ہیں، ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں، اور ایک دوسرے کو بہت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قریبی طور پر جانتے ہیں۔[20] خود اپنی دولت، اور اس غیر معمولی رقم کی طاقت سے جو وہ قرض لے سکتے ہیں، وہ دنیا کے کسی بھی ملک کی مالیاتی منڈی کو، جب بھی وہ اسے اپنے مفاد میں پائیں، غیر مستحکم کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں عام طور پر ہانگ کانگ سے لندن اور نیویارک تک کی منڈیوں میں سازباز کا الزام دیا جاتا ہے۔[21] ملائیشیا کے سابق وزیر اعظم مہاتیر محمد نے الزام لگایا تھا کہ شارٹ ٹرم کرنسی کے سٹہ بازوں اور خصوصاً بڑے ہیج فنڈز، ۱۹۹۷ء میں ملائیشیاء کے سکے رنگٹ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی معیشت کے بیٹھ جانے کا پہلا سبب تھے۔[22] تاہم اس الزام کو ثابت کرنا بلاشبہ بہت مشکل ہے کیونکہ یہ فنڈز ملی بھگت اور بڑی مہارت اور رازداری کے ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ مہاتیر محمد کی بات پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس امر کا بڑا امکان ہے کہ یہ فنڈز نہ صرف ملائیشیائی رنگٹ بلکہ تھائی بھات اور کئی دوسری مشرقی ایشیائی کرنسیوں کو گرانے کا ذریعہ بنے ہوں۔

بڑے پیمانے پر قرضوں کے حصول کے لیے ان ہیج فنڈز کی صلاحیت ۱۹۹۸ء کے وسط میں ۲۵:۱ کے ایل ٹی سی ایم کے لیوریج میں واضح کی گئی ہے۔[23] جو نقصانات اس نے اٹھائے، انہوں نے اگست ۱۹۹۸ء میں اس کی ایکویٹی (خالص اثاثوں کی قدر) ابتدائی ۴ء۸ بلین سے گھٹا کر ۲ء۳ بلین ڈالر کر دی۔ اس کا لیوریج، اس بناء پر، صرف اس کی بیلنس شیٹ پوزیشنوں پر، ۵۰:۱ تک بلند ہو گیا۔ تاہم اس کی ایکویٹی نقصانات کی وجہ سے مسلسل مزید گھٹتی رہی، یہاں تک کہ ۲۳ ستمبر ۱۹۹۸ء کو ۶۰۰ ملین ڈالر یا اپنی ابتدائی قدر کے آٹھویں حصے تک پہنچ گئی۔ اپنی بیلنس شیٹ کے مطابق اس تاریخ کو اس کے پاس ۱۰۰ بلین ڈالر زیادہ تھے، اس کا لیوریج اصل سرمائے سے ۱۶۷ گنا تک بڑھ چکا تھا۔[24] اس طرح قرض کی تہہ پر تہہ چڑھتی گئی اور اس پر قابو پانا دشوار ہوتا چلا گیا۔ فیڈرل ریزرو کو اسے مشکل سے نکالنے کے لیے آگے آنا پڑا کیونکہ اس کے نادہند ہو جانے سے اس سلسلے کے آگے بڑھتے چلے جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ چوٹی کے تجارتی بینکوں میں سے بہتوں نے، جن کی فیڈرل ریزرو کی جانب سے دیکھ بھال کی جاتی تھی اور جنہیں صحت مند اور محفوظ باور کیا جاتا تھا، اس فنڈ کو بھاری قرضے دے رکھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے۔ اگر فیڈرل ریزرو انہیں نجات دلانے کے لیے نہ آتا تو امریکا کے مالیاتی نظام میں سنگین بحران پیدا ہوسکتا تھا، جس کے تباہ کن اثرات ایک وباء کی طرح پوری دنیا کو متاثر کرسکتے تھے۔ ۲۵ اگر محض ایک ہیج فنڈ کی صرف ۴ء۸ بلین ڈالر کی ابتدائی ایکویٹی کے ساتھ ناکامی، امریکی اور عالمی معیشت کو مالیاتی تباہی کے دہانے تک پہنچا سکتی ہے تو یہ سوال اٹھانا قطعی جائز ہوگا کہ اگر ہیج فنڈز کسی بڑی تعداد مثلاً چھ ہزار یا اس سے زیادہ کی تعداد میں مشکل میں پھنس جائیں تو کیا ہوگا۔ ۲۶

ایک ہیج فنڈ اپنی کارروائیوں کو راز داری کے ساتھ انجام دے سکتا ہے کیونکہ، امریکا کے فیڈرل ریزرو سسٹم کے چیئرمین الان گرین سپین کے بقول ''قواعد وضوابط کی پابندی سے بچانے کے لیے اس کی تشکیل اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بہت اونچے اور انتہائی دولت مند افراد تک محدود رہے۔'' ۲۷ تاہم وہ یہ وضاحت نہیں کرتے کہ بینکوں نے نہایت باقاعدہ اور بہت اچھی دیکھ بھال کے حامل سمجھے جانے والے بینکاری نظام میں، پرخطر سٹہ بازی کے لیے ایسے اونچے اور انتہائی دولت مند افراد کو حد سے زیادہ قرضوں کی سہولت مہیا کرنا، کس طرح ممکن پایا۔ کیا وہ اس معروف حقیقت سے بے خبر تھے کہ قرضوں کا لیوریج جتنا بلند ہوگا، نادہندگی کا خطرہ اتنا ہی زیادہ ہوجائے گا؟ لیوریج رکھنے والی پوزیشنوں کو بند نہ کرنا، مارکیٹ کی نقل وحرکت کو بڑھا کر اور بالواسطہ اثرات مرتب کرکے، مالیاتی منڈیوں کے لیے بڑے نقصان کا سبب بن سکتا ہے۔ ۲۸

یہ مثال ظاہر کرتی ہے کہ مالیاتی بحران صرف وہیں رونما نہیں ہوتا جہاں مشرقی ایشیا کے بینکوں کی طرح قواعد وضوابط نامناسب ہوں، بلکہ امریکا کی طرح باقاعدہ منظم اور بخوبی دیکھ بھال کیے جانے والے نظام میں بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ اگرچہ ہیج فنڈز باضابطہ نہیں تھے مگر بینک تو باضابطہ تھے۔ پھر آخر بینکوں نے ایل ٹی سی ایم اور دوسرے فنڈز کو بھاری قرضے کیوں دیے؟ نگرانی کے ذمہ دار کیا کررہے تھے اور وہ بحران سے پہلے مسئلے کو سمجھنے اور اسے درست کرنے میں ناکام کیوں رہے؟ کیا اس بات کی کوئی ضمانت ہے کہ بینکوں کی خطرے میں شرکت کے بغیر ہیج فنڈز کو باضابطہ بنانے سے، دوسرے سٹہ بازوں کو، جو کسی ضابطے کے پابند نہیں، حد سے زیادہ رقوم کا بہاؤ رک جائے گا؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیرونی زرمبادلہ کی منڈی کا عدم استحکام: اب ہم تیسری مثال تک پہنچ گئے ہیں جو بیرونی زرمبادلہ کی منڈیوں کے عدم استحکام پر مشتمل ہے۔ مختصر مدت کے قرضوں پر بہت زیادہ انحصار نے بیرونی زرمبادلہ کی بین الاقوامی منڈیوں میں بھی عدم استحکام کی ایک واضح کیفیت پیدا کردی۔ بینک آف انٹرنیشنل سٹلمنٹس کے اہتمام میں کیے جانے والے ایک سروے کی رو سے، دہری گنتی کو درست کرنے کے لیے، بیرونی زرمبادلہ کی روایتی منڈیوں کا یومیہ کاروبار اپریل ۲۰۰۴ء میں ۱۸۳۰ بلین ڈالر تک پہنچ گیا تھا جبکہ اس کے مقابلے میں اپریل ۱۹۸۹ء میں یہ صرف ۵۹۰ بلین ڈالر تھا۔[۲۹] اپریل ۲۰۰۴ء میں بیرونی زرمبادلہ کا یومیہ کاروبار، عالمی تجارت کے مجموعی حجم (برآمدات + درآمدات) سے ۴۷ گنا سے زیادہ تھا۔[۳۰] اگر خدمات، یکطرفہ تبادلوں، اور سرمائے کے سٹے سے مبرّیٰ بہاؤ کو الگ رکھا جائے تب بھی یہ کاروبار، جائز حد سے کہیں زیادہ تھا۔ ۲۰۰۴ء کے کاروبار کا صرف ۳۵ فی صد، موقع پر ہونے والے سودوں سے متعلق تھا، جو اپریل ۱۹۸۹ء سے، یعنی پندرہ سال میں ۹ء۱ فی صد سالانہ کی مرکب شرح تک پہنچ گیا۔ ٹرن اوور کا بیلنس۔ ۶۵ فی صد۔ بڑی حد تک آؤٹ رائٹ فارورڈز اور بیرونی زرمبادلہ کے سودوں سے متعلق تھا۔ اس طرح ۸ء۱۱ فی صد سالانہ کی مرکب بڑھوتری واقع ہوئی جو اسی مدت میں عالمی تجارت میں ہونے والی ۶ء۷ فی صد بڑھوتری سے کہیں زیادہ تھی۔[۳۱]

بینکار بالعموم رقوم کے استعمال میں حتمی مقاصد کا ضروری لحاظ رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر یہ دعویٰ درست ہوتا تو کیا سٹے بازی پر مبنی لین دین کے لیے اتنے بلند درجے کے لیوریجڈ قرضے کا پھیلاؤ عمل میں آسکتا تھا؟ بلند لیوریج بیرونی زرمبادلہ کی منڈیوں پر ایسے اثرات مرتب کرنے کا باعث بنا جو اسے طویل المیعاد اساسات کے بجائے مختصر مدت کی سٹہ بازی کی طرف لے گئے۔ اس چیز نے انہیں بہت زیادہ ناپائیدار بنادیا اور ان کے اندر بے انتہا عدم استحکام پیدا کردیا۔ ان منڈیوں کی مؤثر کارکردگی پر، اس کے نتیجے میں، سخت منفی اثرات پڑے۔ مرکزی بینکوں کی جانب سے اس عدم استحکام پر، شرح سود میں معمولی تبدیلیوں یا چند سو ملین ڈالر یومیہ داخل کیے جانے جیسے طریقوں سے قابو پانے کے لیے کی گئی کوششیں بالعموم نتیجہ خیز طور پر مؤثر ثابت نہیں ہوئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سٹہ بازی پر مبنی لین دین میں ڈرامائی اضافہ جس کے نتائج نہ صرف تازہ ترین صورت حال کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں بلکہ ادائیگیوں کے نظام میں بھی اتنی زیادہ توسیع کی صورت میں سامنے آئے ہیں کہ بینک فار انٹرنیشنل سٹلمنٹس کے سابق جنرل منیجر اور فائنانشل اسٹیبلٹی فورم کے چیئرمین Andrew Crockett تسلیم کر چکے ہیں کہ ''ہماری معیشتیں اس طرح ادائیگیوں کے نظام کے ممکنہ بریک ڈاؤن کے مقابلے میں مسلسل زیادہ غیر محفوظ ہوتی چلی جارہی ہیں۔''[۳۲] حتیٰ کہ مسٹر گرین اسپین، بین الاقوامی مالیات کے اعصابی مرکز سے معاملات کو دیکھتے ہوئے، کراس بارڈر فائنانس میں اس پھیلاؤ کو، اس تجارت سے متعلق چونکا دینے والا پاتے ہیں جس کے لیے یہ مالیات کا بندوبست کرتا ہے۔''[۳۳] اتنے بڑے پیمانے پر پھیلاؤ کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسائل پیدا ہوں تو وہ پورے مالیاتی نظام میں نفوذ کر سکتے ہیں اور مالیاتی اداروں کے لیے تباہ کن اثرات کا باعث بن سکتے ہیں۔

امریکی معیشت کی نمایاں ناہمواریاں[۳۴] آیئے اب ہم چوتھی مثال کا جائزہ لیں جو امریکا کی معیشت کی نمایاں ناہمواریوں سے تعلق رکھتی ہے۔ امریکا اگرچہ پچھلے چند برسوں سے مجموعی معاشی کارکردگی کے بیشتر پیمانوں کے اعتبار سے اچھا مظاہرہ کر رہا ہے مگر جو کچھ وہ پیدا کرتا ہے اور جو کچھ وہ صرف کرتا ہے، اس کے درمیان بڑی اور بڑھتی ہوئی خلیج پریشان کن ہے۔ امریکا کا تجارتی کھاتہ ۱۹۷۰ء کے عشرے کے اواخر سے مسلسل خسارے میں ہے جبکہ جاری کھاتہ ۱۹۸۰ء کی دہائی کے وسط سے اسی کیفیت سے دوچار ہے۔ جاری کھاتے کا خسارہ اب خام قومی پیداوار (جی ڈی پی) کی ۶ء۳ فی صد کی ریکارڈ سطح تک پہنچ چکا ہے۔ ان متواتر خساروں کے نتیجے میں امریکا کے خالص بیرونی قرضے، مجرد اصطلاحی مفہوم اور جی ڈی پی کے فی صد تناسب، دونوں اعتبار سے، ریکارڈ بلند سطح تک پہنچ گئے ہیں۔

جاری کھاتے کا خسارہ، سرکاری شعبے کے میزانیے کے خسارے اور نجی شعبے کی بچت کے کم ہونے کا عکاس ہے۔ وفاقی حکومت، ۱۹۷۰ء سے ہر سال جو کچھ لیتی ہے، اس سے زیادہ خرچ کرتی چلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آرہی ہے، سوائے ۱۹۹۸ء سے ۲۰۰۱ء تک کے ایک مختصر وقفے کے۔ ۲۰۰۰ء کے ۲۳۶ بلین ڈالر کے فاضل بجٹ کے مقابلے میں ۲۰۰۴ء میں ۴۰۰ بلین ڈالر کے خسارے کا بجٹ سامنے آیا۔[35] امریکا کے نجی شعبے کی خالص بچت، یعنی گھریلو اور کاروباری بچتوں میں سے سرمایہ کاری کو منہا کرنے کے بعد باقی رہ جانے والی رقم، ۱۹۹۰ء کے عشرے کے وسط سے منفی چلی آرہی ہے۔ یہ گھریلو صارفین اور فرموں، دونوں کی جانب سے بے فکری کے ساتھ ادھار لینے اور خرچ کرنے کا نتیجہ ہے۔ ۱۹۹۰ء کے عشرے کے وسط سے بچت کی شخصی شرح مسلسل گھٹ رہی ہے۔[36] ۲۰۰۴ء میں گھریلو بچت، بعداز ٹیکس آمدنی کا صرف ایک فی صد رہی، جبکہ اس کے مقابلے میں ۱۹۵۰ء سے ۲۰۰۰ء تک یہ شرح اوسطاً ۸ فی صد تھی۔ اس کے باوجود ریئل اسٹیٹ، پلانٹ اور ایکوئپمنٹ میں سرمایہ کاری کی سطح بلند ہے۔ اس کیفیت نے بچت میں فرق پیدا کیا۔ اس کے نتیجے میں سود کی شرح بڑھنی چاہیے تھی، مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کا سبب بیرونی ملکوں سے رقوم کا بہاؤ ہے جن میں چین، جاپان اور بھارت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کم شرح سود کی وجہ سے رہائشی ریئل اسٹیٹ کی قیمتیں چڑھ گئیں۔ اس سبب ہاؤس ہولڈ کی خالص قدر میں ہونے والے اضافے نے کم شرح سود کے ساتھ مل کر، صارفین کی جانب سے خرچ کو بچت کی قیمت پر مزید بڑھا دیا۔

اس تناظر میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ناہمواریوں کا اتنے لمبے عرصے تک برقرار رہنا کیوں کر ممکن ہوا، اور منڈی کی قوتوں کی جانب سے اب تک اس خرابی کی اصلاح کیوں نہیں کی جاسکی۔ اس کی وجہ، جیسا کہ دوسری مثالوں کے جائزے کے دوران بھی بات ہو چکی ہے، مالیاتی نظام میں ضروری مارکیٹ ڈسپلن کی کمی ہے۔ سرکاری اور نجی شعبے اس وقت خرچ میں کٹوتی کیوں کرتے ہیں جب شرح سود کم ہو، اور قرض لینا آسان ہو؟ قرض لینا رقم جمع کرانے والوں اور بینکوں، دونوں کی جانب سے نقصان میں شراکت نہ ہونے کی وجہ سے آسان ہے۔ موجودہ منظرنامے میں منڈی کی قوتیں امریکی حکومت پر مالیاتی ڈسپلن نافذ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتیں لیکن وہ کم از کم نجی شعبے کو قرض دینے کے رجحان کو گھٹانے میں تو باہم تعاون کرہی سکتی ہیں۔ اس کے باعث بچت میں ہونے والا اضافہ، سرکاری شعبے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خسارے کے اثرات کی تلافی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ان تفصیلات سے یہ اہم سوال ابھرتا ہے کہ غیر ملکی، امریکا کو کب تک قرض دینے کا سلسلہ جاری رکھنا پسند کریں گے؟ ڈالر کی طاقت اور استحکام پر اعتماد، اسے محفوظ کرنسی کی حیثیت سے قابل استعمال بنانے کے لیے ضروری ہے۔ اگر خسارہ جاری رہے، ڈالر پر عدم اعتماد بڑھتا رہے اور اس کے نتیجے میں امریکا سے رقوم کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو جائے تو کیا ہوگا؟ یہ محض ایک نظری سوال نہیں ہے۔ پچھلے تیس برسوں میں ڈالر زبردست انحطاط کے چار جھٹکوں کا تجربہ کر چکا ہے۔ دنیا کے زرمبادلہ کے ذخائر کا تقریباً دو تہائی چونکہ اب بھی ڈالر کی شکل میں ہے، اس لیے ڈالر سے باہر دوسری کرنسیوں اور اشیاء کو زرمبادلہ کے لیے اپنانے کی تحریک، جیسا کہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اواخر میں ہوا، ڈالر کے تبادلے کی شرحوں میں تیز رفتار گراوٹ، سود کی شرح اور اشیاء کی قیمتوں میں اضافے اور امریکی معیشت میں بحران کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ کیفیت پوری دنیا کو طویل مدت پر محیط کساد بازاری کی جانب لے جاسکتی ہے۔ اس وقت اصلاح کا عمل انتقامی کیفیت کے ساتھ ہوگا، جبکہ ایسا ہونا بالخصوص بدقسمتی کے مترادف ہوگا کیونکہ مارکیٹ ڈسپلن اس وقت یہ اصلاح بہت آسانی سے اور بہت کم نقصان کے ساتھ عمل میں لاسکتا ہے۔

علاج

اب تک کی گفتگو ہمیں سب سے اہم سوال اور بحث کے اس بنیادی نکتے تک لے آئی ہے کہ: بین الاقوامی مالیاتی منڈیوں میں پائے جانے والے عدم استحکام کو کیسے کم کیا جاسکتا ہے؟ اگر مختصر مدت کے قرضوں پر انحصار پر پابندی جواب ہے تو اسے حاصل کرنے کے بہترین طریقے کی نشان دہی کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک طریقہ بہتر قواعد وضوابط کا نفاذ ہے۔[۳۸] تاہم قواعد وضوابط کے ناگزیر ہونے کے باوجود ان پر مکمل طور پر انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وجہ تمام ملکوں اور تمام مالیاتی اداروں پر ان ضوابط کو یکساں طور پر نافذ کرنے میں حائل مشکلات ہیں۔ اس کے تین اسباب ہیں۔ ایک تو آف بیلنس شیٹ حسابات اور بینک کے رازداری کے معیارات کی پیدا کردہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیچیدگیاں اور وہ مشکلات ہیں جو بینکوں کی جانچ پرکھ کرنے والوں کو، بینک کے اثاثوں کے معیار کے درست طور پر تعین میں پیش آتی ہیں۔ دوسرے یہ خوف ہے کہ اگر قواعد وضوابط کا غیر یکساں نفاذ ہوا تو رقوم سمندر پار جنتوں کو پرواز کر جائیں گی جہاں تمام ہیج فنڈز کا تقریباً نصف پہلے ہی موجود ہے۔[۳۹] مارکیٹ بینکنگ کا ابھرتا ہوا بحران ایسی کئی مثالیں پیش کرتا ہے کہ بظاہر اچھا سرمایہ رکھنے والے بینک بھی دیوالیہ ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے قرضوں کے معاملات کے ناقص معیار کو سمجھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایل ٹی سی ایم بحران ظاہر کرتا ہے کہ بظاہر ایک بخوبی منضبط نظام میں بھی بینک سٹے کی گرم بازاری میں پھنس کر کس طرح الجھاؤ کا شکار ہو سکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ بینکوں کو جکڑ بند ضوابط کی چھتری کے نیچے لانا نہ صرف یہ کہ عمل درآمد کی لاگت کو بڑھا سکتا ہے، بلکہ رقوم جمع کرانے والوں کو گمراہ کر کے اس خیال میں مبتلا کر سکتا ہے کہ ان کی جمع کرائی گئی رقوم کو ضوابط کے تحت خصوصی تحفظ حاصل ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ قواعد وضوابط ضروری نہیں ہیں۔ تاہم ضابطہ کاری اور نگرانی اس صورت میں مزید مؤثر ہو گی جب اس کے ساتھ ساتھ مالیاتی نظام میں بھی سرمایہ کاروں اور بینکوں دونوں کی کاروبار کے نقصان میں شرکت کے ذریعے بہتر نظم وضبط کا اہتمام کیا جائے۔ بینکوں کو مشکل سے نکالنے کے لیے محض مالی تعاون، جیسا کہ بعض تجزیہ کاروں کی جانب سے تجویز کیا جاتا رہا ہے،[۴۰] ہمیں زیادہ دور تک نہیں لے جا سکتا۔ جو کچھ ضروری ہے وہ صرف اتنا ہی نہیں کہ جب بینک ڈوبے تو حصص یافتگان کو بھی نقصان اٹھانے والوں میں شامل رکھا جائے، بلکہ رقوم جمع کرانے والوں کو بھرپور طریقے سے اس پر تیار کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے بینکوں کے چناؤ میں محتاط رہیں، اور بینکوں کی انتظامیہ قرضے دینے اور سرمایہ کاری کرنے میں مزید احتیاط سے کام لے۔ اپنے اثاثوں کے معیار کو پرکھنے کے معاملے میں بینکوں کے منیجر، ضابطہ کاروں اور رقوم جمع کرانے والوں سے بہتر حیثیت میں ہوتے ہیں، اور نقصان میں شراکت انہیں ایسے فیصلے کرنے پر آمادہ کرے گی جنہیں وہ اپنے بینک اور رقوم جمع کرانے والوں کے بہترین مفاد میں سمجھیں گے۔

اس طرح مالیاتی نظام میں سیلف ڈسپلن کے اہتمام کے ساتھ بینکوں کی ضابطہ کاری اور نگرانی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ طاقتور بنانا ضروری قرار پاتا ہے۔ یہ کام بینکوں، حصص یافتگان اور سرمایہ کاری کے لیے رقوم جمع کرانے والوں (اپنی جمع کرائی گئی رقوم پر منافع پانے کے خواہش مندوں) کے حصے کو نقصان کے اندیشے میں شریک کر کے، یعنی قرض پر انحصار کم کر کے اور ایکویٹی پر بڑھا کر انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ قرض کی دستیابی کو، قرض دینے والے کی جانب سے بھی نقصان کے خطرے میں کسی حد تک شراکت کے ساتھ، حقیقی اشیاء اور خدمات تک محدود کرنا ضروری ہے۔

رقوم جمع کرانے والوں کو کاروباری نقصان کے خطرے میں شریک کر کے، انہیں اپنے بینکوں کے چناؤ میں زیادہ احتیاط سے کام لینے اور یہ دیکھتے رہنے کے لیے کہ بینک درست طور پر چلائے جارہے ہیں، سرگرم کیا جاسکے گا۔ اسی طرح بینکوں کو نقصان کے خطرے میں حصہ دار بنانے سے، بینک انتظامیہ مالیات کی فراہمی میں خطرات کا اندازہ لگانے میں زیادہ احتیاط سے کام لے گی اور قرض داروں کی جانب سے رقوم کے استعمال کی نگرانی زیادہ مؤثر طور پر کرے گی۔

سرمایہ کاری کی تجاویز کی قرض خواہ اور قرض دار دونوں کی جانب سے دہری جانچ پڑتال، مارکیٹ ڈسپلن کو بہتر بنانے اور مالیاتی نظام کو زیادہ صحت مند بنانے میں مدد دے گی۔ آئی ایم ایف بھی اپنا وزن اس دلیل کے ساتھ نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد پر مالیات کی فراہمی کے پلڑے میں ڈال چکی ہے کہ '' قرض تخلیق کرنے والے داخلی بہاؤ کے مقابلے میں بیرونی راست سرمایہ کاری کو اکثر ترقیاتی مقاصد کے لیے مالیات کی فراہمی کا محفوظ تر اور زیادہ مستحکم طریقہ قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ یہ ملکیت، پلانٹ کے کنٹرول، آلات اور بنیادی ڈھانچے کے حوالے سے ہوتا ہے، اس لیے کسی معیشت کی بڑھوتری کی صلاحیت میں اضافے کے لیے مالی کمک فراہم کرتا ہے، جبکہ مختصر مدت کے بیرونی قرضے، عموماً مصرفانہ مقاصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ مزید برآں، بحران کی صورت میں، جب سرمایہ کار اپنے لیے گھریلو سیکورٹیز فروخت کرنے کا راستہ منتخب کرسکتے اور بینک قرضوں کو معاف کرنے سے انکار کرسکتے ہیں، تو طبعی سرمایے کے مالکوں کو اتنی آسانی سے خریدار نہیں مل سکتے۔''[۴۱]

یہ بات اس اعتراض کا سبب بن سکتی ہے کہ سرمایہ کاری کے لیے رقوم جمع کرانے والے عموماً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقصان کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، لہٰذا وہ نفع نقصان کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرنے والوں کے برعکس، اپنی رقوم کو نقصان کے خطرے سے دوچار کرنا پسند نہیں کریں گے۔ انہیں نقصان کا خطرہ مول لینے پر مجبور کرنا، ان کے اندر عدم تحفظ کا احساس، ان کے اور ان کے خاندان کے لیے مشکلات پیدا کرسکتا ہے۔ اس مسئلے سے بچنے کے لیے، بینکوں کو یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ نقصان کے خطرے سے خائف سرمایہ کار/جمع کنندگان کی فراہم کردہ رقوم کو کم خطرے والے اثاثوں میں لگائیں۔ بینکوں کو نقصان کی تلافی کے لیے محفوظ رقوم کا بندوبست بھی کرنا چاہیے تاکہ رقوم جمع کرانے والوں کو لازماً نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ یہ طریقہ بینکوں کو نقصان کے خطرات سے نمٹنے کے حوالے سے مؤثر بنانے میں مزید سہولت کا باعث بن سکتا ہے، اور اس طرح بینکاری نظام کو زیادہ محفوظ اور زیادہ صحت مند بنایا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں، جیسا کہ Hicks نے استدلال کیا ہے، سود اچھے اور برے ہر حال میں ایک ہی طرح ادا کیا جانا ہوتا ہے، لیکن منافع منقسمہ (ڈیویڈنڈ) کو برے وقتوں میں کم کیا جاسکتا ہے، اور انتہائی حالتوں میں روکا بھی جاسکتا ہے۔ اس لیے حصص کے ذریعے مالیات کی فراہمی کا بوجھ نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اچھے وقتوں میں زیادہ ڈیویڈنڈ متوقع ہوگا، تاہم ایسے ناموزوں وقتوں میں زیادہ بلند ڈیویڈنڈ سے بچا سکتا ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں ''فرم ایک حد تک اپنے آپ کو اس بوجھ کے مقابلے میں جو مشکل حالات میں سنگین ہوسکتا ہے، بڑھی ہوئی ادائیگی کی قیمت پر، ایسے حالات میں جب ایسا کرنا آسان ہو، محفوظ بنائے گی۔ اس مفہوم میں کہ اس کی پوزیشن کی نزاکت کم ہوجائے۔''[۴۴] اس چیز کو کاروبار کی ناکامی میں نمایاں کمی کا سبب بننا چاہیے اور نتیجتاً معاشی عدم استحکام کو بڑھانے کی نہیں، کم کرنے کی راہ ہموار ہونی چاہیے۔

ایکویٹی کی بنیاد پر مالی وسائل کی فراہمی پر زیادہ انحصار کے حامی آج بنیادی دھارے کی معاشیات تک میں موجود ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر Kenneth Rogoff بیان کرتے ہیں کہ ''مثالی دنیا میں ایکویٹی کی بنیاد پر قرض کی فراہمی اور براہ راست سرمایہ کاری، کہیں زیادہ بڑا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردار ادا کرے گی۔'' وہ مزید پرزور انداز میں کہتے ہیں: ''قرض اور ایکویٹی کے درمیان بہتر توازن کے ساتھ نقصان کے خطرے میں شرکت وسیع پیمانے پر فروغ پائے گی اور مالیاتی بحران تیزی سے ختم ہو جائے گا۔''[۴۳] تاہم اگر قرض اور ایکویٹی کے درمیان بہتر توازن کے ساتھ ساتھ، قرض حقیقی اشیاء اور خدمات کی خریداری سے بھی منسلک ہو، جیسا کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے ہونا چاہیے، تو یہ چیز ہمیں مالیات کی منڈیوں میں عدم استحکام کو کم کرنے میں، سٹہ بازی کے لیے حد سے زیادہ قرضوں کے اجراء پر پابندی کے ذریعے، ایک قدم آگے لے جائے گی۔ مالیاتی نظام میں بہتر ڈسپلن کے متعارف کرائے جانے سے، جسے سود کی ممانعت یقینی بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، نیز زیادہ مؤثر ضوابط اور نگرانی کے ساتھ، مالیاتی منڈی میں بتدریج سرمایے کے فرار کے رجحان میں واضح کمی ہوگی اور ترقی کی رفتار میں تیزی فروغ پائے گی۔[۴۴]

اسلامی مالیاتی نظام

سود پر مبنی موجودہ بالادست مالیاتی نظام کی محولہ بالا کمزوریاں ایک نئے مالیاتی نظام کی تعمیر کے متعارف کرائے جانے کے لیے ایک مضبوط منطقی بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ یہ ضرورت ہمیں اسلامی بینکاری کی جانب لاتی ہے جو سود کے خاتمے کی کوشش کرتی اور اس کی جگہ نفع / نقصان میں شرکت کا اصول پیش کرتی ہے۔ ڈیمانڈ ڈیپازٹس چونکہ مالیاتی اداروں کی جانب سے مالی وسائل کی فراہمی کے خطرات میں شرکت نہیں کرتے لہٰذا کوئی منافع بھی حاصل نہیں کرتے، اس لیے ان کی واپسی کی لازماً ضمانت دی جانی چاہیے۔ تاہم سرمایہ کاری کے لیے جمع کرائی گئی رقوم خطرات میں حصہ دار ہوتی اور طے شدہ تناسب کے مطابق نفع یا نقصان میں شریک ہوتی ہیں۔ یہ چیز جواباً سرمایہ کاری کے لیے رقوم جمع کرانے والوں کو عارضی شیئر ہولڈر بنا دے گی۔ مالیاتی اداروں میں سرمایہ کاری کے لیے رقوم کا جمع کرایا جانا، ان کے حصص خریدنا اور ان سے دستبردار ہونا، ان حصص کو بھنانے کے مانند ہوگا۔ بالکل یہی معاملہ اس وقت ہوگا جب یہ مالیاتی ادارے کاروبار کے لیے قرض دیں گے یا قرضداروں کی جانب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انہیں قرض کی رقم واپس کی جائے گی۔ یہ ادارے جن کاروباروں کو مالی وسائل فراہم کریں گے، ان کے خطرات میں بھی شریک ہوں گے۔ یہ طریق کار مجموعی مالیاتی وسائل میں نمایاں طور پر ایکویٹی کا حصہ بڑھانے اور قرض کا حصہ گھٹانے کا ذریعہ بنے گا۔ ایکویٹی یا تو جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں اور دوسرے کاروباروں کے شیئرز کی شکل میں، یا پھر مالیات کی فراہمی کے مضاربہ اور مشارکہ کے طریقوں کے تحت چلائے جانے والے منصوبوں میں، نفع اور نقصان میں شرکت (PLS) کی صورت میں ہوگی۔

ایکویٹی پر زیادہ انحصار کا مطلب لازمی طور پر یہ نہیں کہ قرض کی بنیاد پر مالیات کی فراہمی مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افراد، کمپنیوں اور حکومتوں کی تمام مالیاتی ضروریات نفع نقصان میں شرکت کے تابع نہیں کی جا سکتیں۔ لہٰذا قرض ناگزیر ہے۔ ایک عملی مذہب ہونے کی بناء پر اسلام نے ایکویٹی پر زیادہ انحصار کی کوشش میں قرض کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا ہے۔ تاہم اسلامی مالیاتی نظام میں قرض کی تخلیق، حقیقی اشیاء اور خدمات کی فروخت یا اجارہ کے ذریعے یعنی مرابحہ، اجارہ، سلم اور استثنٰی پر مبنی طریقوں سے عمل میں آتی ہے۔

مالیات کی فراہمی کے، فروخت پر مبنی طریقوں میں، پہلے سے متعین شرح منافع، انہیں سود پر مبنی طریقوں کی مانند بنا سکتی ہے۔ تاہم یہاں معاملہ یہ نہیں ہے۔ ان دونوں طریقوں میں نمایاں فرق موجود ہے، ان میں سے دو فرق بالخصوص اہم ہیں۔ ایک تو یہ کہ فروخت پر مبنی طریقوں میں قرض کا بلاواسطہ لین دین نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے ان میں خرید و فروخت یا اجارہ کے سودوں میں حقیقی اشیاء و خدمات شامل ہوتی ہیں۔ شریعت نے ان سودوں کو معتبر بنانے کے لیے متعدد شرائط عائد کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ فروخت کنندہ (مالیات فراہم کرنے والا/ سرمایہ دار) بھی، منافع میں شرکت کے لیے خطرے میں لازماً ایک حد تک حصہ دار ہوگا۔ وہ اس چیز سے دوسری شرط کی بناء پر بچ نہیں سکتا۔ اور وہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ کے لیے لازم ہے کہ وہ جو چیز فروخت کرے وہ اس کا مالک بھی ہو اور وہ چیز اس کے قبضے میں بھی ہو۔ شریعت کسی شخص کو وہ چیز فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیتی جس کا وہ خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مالک نہ ہواور جو اس کے قبضے میں نہ ہو، سوائے سلم اور استثنیٰ کے معاملات کے جو اس عام اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ جب ایک فروخت کنندہ / سرمایہ کاران اشیاء کی ملکیت اور قبضہ حاصل کر لیتا ہے جنہیں وہ قرض پر فروخت کرنا چاہتا ہے تو وہ خطرہ مول لیتا ہے۔ اس طرح سٹے اور قیاس کی تمام شارٹ سیلز خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ یوں اسلامی طریقوں سے مالی وسائل کی فراہمی کا دائرہ حقیقی معاشی ترقی کے قدم بقدم ہی وسیع ہو سکتا ہے، چنانچہ یہ طریقے حد سے زیادہ قرض کے پھیلاؤ کو، جو کہ بین الاقوامی مالیاتی منڈیوں کے عدم استحکام کی سب سے بڑی وجہ ہے، روکنے میں معاون ہوتے ہیں۔

اس فرق کا دوسرا کلیدی نکتہ یہ ہے کہ یہ سود کی شرح نہیں بلکہ فروخت شدہ شئے یا خدمت کی قیمت ہے جو فروخت پر مبنی مالیات کاری کی صورت میں مقرر کی جاتی ہے۔ جب ایک بار قیمت متعین ہو جاتی ہے تو اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا، حتیٰ کہ غیر متوقع حالات کی وجہ سے تاخیر ہو جانے کی شکل میں بھی نہیں۔ یہ چیز مشکل حالات میں خریدار کے مفاد کے تحفظ میں مدد دیتی ہے۔ تاہم اگر خریدار قصداً ادائیگی میں دیر کرے تو اس سے بینک کے لیے نقد رقم کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسلامی مالیات میں یہ ایک بڑا غیر حل شدہ مسئلہ ہے اور ماہرین مل جل کر شریعت کے مطابق اس کا حل تلاش کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں۔[۴۵]

نفع نقصان کی بنیاد پر شرکت کے طریقوں کا حصہ، اب تک، اسلامی بینکوں کی مالیات کاری کے عمل میں نسبتاً کم ہے اور فروخت پر مبنی طریقوں کا حصہ نمایاں طور پر بلند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کام مشکل ہے اور، اس کو روبعمل لانے کے ابتدائی مرحلے میں، یہ بینک ایسے خطرات مول نہیں لینا چاہتے جن سے وہ مؤثر طور پر نمٹ نہ سکتے ہوں۔ اس کام کے لیے ان کی تیاری، مہارت رکھنے والی افرادی قوت نیز اداراتی بنیادی ڈھانچے کی شکل میں، مکمل نہیں ہے۔[۴۶] تاہم بیشتر ماہرین محسوس کرتے ہیں کہ اگرچہ فروخت پر مبنی طریقے، سود پر مبنی مالیات کاری سے مختلف اور شریعت کی رو سے جائز ہیں، اس کے باوجود سود کی ممانعت کے جو سماجی معاشی فوائد اوپر بیان کیے گئے، وہ اس وقت تک پوری طرح حقیقت نہیں بن سکتے جب تک نفع نقصان میں شرکت پر مبنی طریقوں کا حصہ، کل مالیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں نمایاں طور پر بلند نہیں ہو جاتا۔ اس لیے نفع نقصان میں شرکت کے طریقوں کے استعمال میں تیز رفتار اضافے کا مطلوب ہونا واضح ہے۔

اسلامی بینکوں نے پوری دنیا میں ٹھوس ترقی کی ہے، اس کے باوجود بین الاقوامی بلکہ صرف مسلم دنیا کی مالیات کے کل حجم میں بھی ان کا حصہ بہت تھوڑا سا ہے۔ یہ صورت توقعات کے خلاف نہیں کیونکہ وہ مالیاتی وساطت کے ایک نئے نظام میں، تربیت یافتہ عملے اور معاون یا مشترکہ اداروں کے بغیر، جو ان کی کامیاب کارکردگی کے لیے ضروری ہیں، پیش رفت کی کوشش کر رہے ہیں۔ لہٰذا اہم بات یہ نہیں کہ ان کی جمع شدہ رقوم اور اثاثوں کا حجم کتنا ہے، بلکہ وہ اعتبار جو غیر سودی مالیاتی وساطت کاری نے دنیا بھر میں حاصل کیا ہے اور وہ مثبت ثبوت جو اس نے، اس نئے نظام کے پائیدار اور قابل عمل ہونے کے حوالے سے فراہم کیے ہیں، اصل اہمیت ان کی ہے۔

۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کے عشروں میں اسلامی بینکاری محض ایک علمی خواب تھی۔ بہت ہی کم لوگ، حتیٰ کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں بھی، اس سے واقف تھے۔ بہرصورت یہ تصور اب ایک عملی حقیقت بن چکا ہے۔ اس نے فیڈرل ریزرو بورڈ اور بینک آف انگلینڈ جیسے مغرب کے مرکزی بینکوں، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے مالیاتی اداروں، امریکا کی ہارورڈ اور رائس یونیورسٹیوں اور برطانیہ کے لندن اسکول آف اکنامکس، اور لوبورو اور ڈرہم یونیورسٹی جیسے علم و دانش کے عظیم الشان مراکز کی توجہ حاصل کی ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ میں بھی اس نے مثبت طور پر جگہ پائی ہے۔

اس نظام کے لیے مستقبل کے امکانات کے بہتر ہونے کی واضح توقعات ہیں، خصوصاً اگر بین الاقوامی مالیاتی نظام میں عدم استحکام، جو فی الوقت نمایاں ہے، اسی طرح بڑھتا رہا۔ اس سے ہم اس حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں کہ اس عدم استحکام کا، نظام میں محض نمائشی تبدیلیوں سے ختم کیا جانا مشکل ہے۔ اس کے بجائے نظام میں بہتر مارکیٹ ڈسپلن کا متعارف کرایا جانا ضروری ہے اور غیر سودی، نفع/نقصان میں شراکت کا نظام، اس مقصد کے حصول میں یقینی طور پر معاون ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجہ

واضح طور پر دنیا کے بڑے مذاہب کی جانب سے سود کی ممانعت کے پیچھے مضبوط منطق اور عقلی بنیاد موجود ہے۔ مالیاتی نظام میں اسے شامل کیے جانے سے بہتر نظم وضبط کے قیام میں مدد ملے گی اور یہ چیز اسے زیادہ صحت منداور زیادہ مستحکم بنائے گی۔ اگر ایکویٹی کا حصہ بڑھے اور قرض کا تناسب نمایاں طور پر کم ہوجائے، تو امید کی جاسکے گی کہ بین الاقوامی مالیاتی منڈیوں میں جس فراری کیفیت کا آج تسلط ہے، اس میں واضح طور پر کمی واقع ہوجائے گی۔ نتیجہ اور بہتر ہوسکتا ہے اگر قرض کو ابتدائی طور پر حقیقی اشیاء وخدمات کی خریداری یا اجارے تک محدود کردیا جائے۔ اس طرح، قرض کے سٹے پر مبنی پھیلاؤ کو بہت بڑی حد تک ختم ورنہ کم ضرور کیا جاسکتا ہے۔ اس کا حتمی نتیجہ صرف مالیاتی عدم استحکام ہی میں کمی نہیں، بلکہ وسائل کے بہتر مقاصد کے لیے مختص کیے جانے اور تیز تر معاشی ترقی کی شکل میں نکلے گا۔

ایک اور چیز جس کا اہتمام اسلام نے قرض کے لین دین کو اثاثوں سے منسلک کرنے کے ساتھ ساتھ کیا ہے، وسائل سے بڑھ کر زندگی بسر کرنے پر پابندی لگانا اور سادہ طرز بود وباش کو فروغ دینا ہے۔ وسائل سے بڑھ کر زندگی بسر کرنے پر عائد کی گئی اس پابندی کو، بچت کو بڑھانے اور سرمایہ کاری کے مقاصد کی خاطر لیے جانے والے قرضوں پر لوگوں کے انحصار کو کم کرنے میں معاون ہونا چاہیے۔ ایسا ہونا یقینی طور پر ممکن ہے۔ جاپان نے اپنی ترقیاتی سرگرمیوں کے لیے اسی انداز میں مالی وسائل مختص کیے ہیں، اور کئی دوسرے ایشیائی ٹائیگر بھی ایسا ہی کررہے ہیں۔ سادہ طرز زندگی، اس طرح، بچتوں کو بڑھانے اور ملکوں کو بھاری قرضوں کے لین دین کے بغیر اپنی ترقیاتی سرگرمیوں کے لیے مالی وسائل کی فراہمی کے قابل بنانے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرض کا سلسلہ بالکل نہیں رہ جائے گا۔ ادھار لینے کا سلسلہ جاری رکھے جانے کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن حدّ سے زیادہ قرض لینے سے، جیسا کہ پاکستان کے معاملے میں ہوتا رہا ہے، گریز کیا جائے گا۔ تاہم پاکستان میں سادہ طرز زندگی کو رائج کرنے کے بجائے ہم غیر ضروری خرچ کو فروغ دے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہماری بچت کی شرح انتہائی کم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اور مفید چیز، جو اسلامی مالیات کاری اس سب کے ساتھ ساتھ لائے گی، سٹے پر پابندی ہے۔ یہ نظام سٹے پر پابندی کیسے لگائے گا؟ شریعت کے حکم کے تحت اس چیز کی فروخت ممنوع ہے جو فروخت کرنے والے کی تحویل میں نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شارٹ سیلز جو اسٹاک، بیرونی زرمبادلہ اور اجناس کی منڈیوں کے لیے تباہی کا سبب بنتی ہیں، ممنوع ہوں گی۔

سٹے پر مبنی شارٹ سیلز میں اشیاء کے لین دین کی نیت نہیں ہوتی۔ اس کے بجائے خریداری کا ایک عوضی لین دین عمل میں آتا ہے اور درمیانی فرق کا تصفیہ کرلیا جاتا ہے۔ مسٹر [جارج] سوروز نے ۱۹۹۰ء کی دہائی کے ابتدائی برسوں میں برطانیہ میں زرمبادلہ کے بحران کے دوران ایسا کیا اور ایک بلین پاؤنڈ اسٹرلنگ کا منافع کمایا۔ اس کامیابی سے حوصلہ پاکر، اس نے دوسرے سٹے بازوں کے ساتھ، یہی کچھ مشرق بعید میں کیا اور وہاں کی زرمبادلہ کی منڈیوں کو غیر مستحکم کردیا۔ سٹے پر پابندی مالیاتی منڈیوں کو مستحکم کرنے میں مدد دے گی۔

یہ ہے وہ سبب جس کی بناء پر دنیا کے بیشتر مذاہب نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن کیا بات اتنی ہی ہے؟ وسائل سے بڑھ کر زندگی بسر کرنا، معاشرے کو کئی دوسرے طریقوں سے بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ ایک تو یہ افراط زر کو فروغ دیتا ہے اور یہ افراط زر عموماً غریبوں کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ وسائل کی چونکہ قلت ہوتی ہے، اس لیے ذرائع آمدنی سے بڑھ کر زندگی بسر کرنے سے تعیّشات پر خرچ بڑھتا ہے۔ قرض لینے والے دولت مند لوگ، لازماً اپنی ضروریات ہی کے لیے نہیں بلکہ اکثر پر تعیش مصارف کے لیے قرض لیتے ہیں۔

حکومتیں بھی لازمی طور پر ترقیاتی مقاصد ہی کے لیے قرض نہیں لیتیں۔ وہ سفید ہاتھی جیسے منصوبوں کے لیے بھی قرض لیتی ہیں۔ پاکستان میں سفید ہاتھی ٹائپ متعدد منصوبوں کے لیے مالی وسائل قرض لے کر مہیا کیے گئے ہیں۔ وہ اب جان چھڑانے کے لیے اونے پونے داموں بیچے جارہے ہیں۔ اگر نفع اور نقصان میں شرکت کا نظام ہوتا تو یہ منصوبے پہلے ہی مرحلے میں منظور نہ کیے جاتے، بالخصوص جبکہ مطلوبہ ساز وسامان کی فراہمی کے لیے دستیاب وسائل پر حد سے زیادہ دعوے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورت میں کیے جا رہے ہوں کہ خدمات کی قلت پوری طرح ظاہر ہو۔

یہ بات تسلیم کی جانی چاہیے کہ اسلامی مالیات کاری ابھی اپنی مثالی شکل تک نہیں پہنچی ہے۔ یہ ابھی عبوری دور میں ہے۔ اسلامی بینک فنانسنگ کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ ایکویٹی کی شکل میں ہے، جبکہ بہت بڑا اور غالب حصہ قرض کی مالیات کاری پر مشتمل ہے۔ مزید یہ کہ قرض کی مالیات کاری بھی پوری طرح اسلامی اصول وضوابط کے مطابق نہیں ہے۔ اسلامی اصولوں پر مبنی قرض کی مالیات کاری میں مالی وسائل فراہم کرنے والا یعنی قرض خواہ بھی نقصان کا خطرہ مول لینے میں ایک حد تک شریک ہوتا ہے۔ اگر نقصان کا خطرہ مول نہ لیا جائے تو نفع میں بھی کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ تاہم بینک نقصان کے خطرے کو قرض لینے والے یا خریدار کی طرف ہی منتقل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔

مسلمان ملکوں میں مرکزی بینکوں کی جانب سے اِن بینکوں کو ایسے ضوابط کا پابند بنایا جانا چاہیے اور ان کے حوالے سے ان کی نگرانی کی جانی چاہیے جن کے تحت اسلامی مالیات کاری کی سہولت، اس کے اپنے قواعد کے مطابق مہیا کی جائے۔ جب تک مرکزی بینک اس کام میں پوری دلچسپی نہیں لیں گے، اس وقت تک یہ کام نہیں ہوگا۔ تاہم افسوس کی بات ہے کہ مسلمان ملکوں میں مرکزی بینکوں کی ایک بڑی تعداد اسلامی مالیات کاری سے بنیادی طور پر الرجک رہی ہے۔ ان بینکوں کو قواعد کے مطابق چلانے کے لیے انھوں نے کوئی بڑے اقدامات نہیں کیے۔ بینک خطرہ مول لینے سے بچنے اور ایکویٹی کی بنیاد پر مالیات کاری سے دور رہنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر سمت درست نہ کی گئی تو وہ ثمرات جن کی ضمانت تھیوری دیتی ہے، حاصل نہیں کیے جا سکیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

1: Glick, "Thoughts on the Origins of the Asian Crisis" and Bisignano, "Precariuos Credit Equilibria."

2: Krugman, "What Happened to Asia?"

3: Chang and Velasco,"The Asian Liquidity Crisis" and Radelet and Sachs "The East Asian Financial Crises."

4: For these principles see Camdessus, "Interview with *IMF Survey*" 1 and 7-10.

5: IMF, "World Economic Outlook," May 1999, 67.

6: BIS, Annual Report 1982, 3.

7: IMF, "World Economic Outlook," May 1998, 83.

8: Trichet, "Asset Price Bubbles and Monitary Policy," 4.

9: Chris, "On Fiscal and Monetary Policies," and Searth, "Bond Financed Fiscal Policy."

10: BIS, 1999, 10.

11 : یہ دھچکے متعدد عوامل کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ اس میں قدرتی آفات، درآمد اور برآمد کرنے والے بڑے ملکوں کی پالیسیوں میں تبدیلیاں، نیز سود کی شرحوں یا متعلقہ درآمدات و برآمدات کے نرخوں میں تبدیلیوں کے باعث قرض لینے والے ملکوں کی معیشتوں میں غیر متوقع انحطاط، سب شامل ہیں۔

12: Meltzer, "Asian Problems and the IMF"; Schwartz, "Time to Terminate the ESF and the IMF"; and

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

Calomiris, "IMF's Imprudent Role."

13: Schwartz, op. cit. and Meltzer, op. cit.

14: Stiglitz, "Dealing with Debt," 58.

15: World Bank, *Policy and Research Bulletin,* 3.

16: IMF, "World Economic Outlook," September 1998, 98.

17: Edwards, "Hedge Funds and Collapse of Long Term Capital Management," 189.

18: *Economist*, "The Risk Business," 21.

19: Edwards, op. cit. 190.

20: Plender, "Western Crony Capitalism."

21: *Economist,* op. cit.

22: Mahmed, "Highwaymen of the Global Economy," C1.

23: BIS, 1999, 108.

24: IMF, "World Economic Outlook and International Capital Markets, 55.

۲۵ : فیڈرل ریزروسسٹم کے سابق سربراہ ایلن گرین سپین کی جانب سے یہ بات ان الفاظ میں صاف طور پر تسلیم کی گئی ہے: ''ایل ٹی سی ایم کی ناکامی نے منڈیوں کو معطل کرنے کا سلسلہ شروع کیا تھا، جس کے نتیجے میں فرم سے براہ راست تعلق نہ رکھنے والوں سمیت منڈی کے بہت سے شرکاء کو بھاری نقصان پہنچ سکتا تھا، اور یہ ہم سمیت بہت سی قوموں کی معیشتوں کو عملی طور پر کمزور کرسکتا تھا۔'' (گرین سپین، ''کانگریس میں بیان، یکم اکتوبر ۱۹۹۸،'' ۱۰۴۶)۔

۲۶ : ہیج فنڈز کے اعداد وشمار اکنامسٹ "Funds for Hedge Funds" کے صفحہ ۷۲ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماخوذ ہیں۔

27: Greenspan, op. cit.

28: IMF, op. cit 51- 53.

۲۹ : بی آئی ایس ۲۰۰۴ء۔ بینک آف انٹرنیشنل سٹلمنٹس ہر تین سال بعد اپریل کے مہینے میں بیرونی زرمبادلہ کے سروے کا اہتمام کرتا ہے۔ اپریل ۱۹۸۹ء سے بیرونی زرمبادلہ کے کاروبار کا یومیہ حجم مسلسل بڑھتا رہا سوائے ۲۰۰۱ء کے جب یہ ۱۹۸۹ء کے ۱۴۹۰ بلین ڈالر کے مقابلے میں ۱۲۰۰ بلین ڈالر رہا۔ ۲۰۰۱ء میں اس انحطاط کے بڑے اسباب میں بی آئی ایس کے مطابق، یورو کا متعارف کرایا جانا، انٹر بینک مارکیٹ میں الیکٹرانک بینکنگ کا بڑھتا ہوا حصہ، اور بینک کی صنعت میں انضمام کا رجحان شامل تھے۔ (BIS,"Central bank survey of foreign exchange and derivatives market activity in April 2001," 1. See also simialar news releases for October 1998 and September 2004 at http://www.bis.org/press).

۳۰ : عالمی تجارت (برآمدات + درآمدات) اپریل ۱۹۸۹ء کے ۴۹۹ بلین ڈالر سے بڑھ کر اپریل ۲۰۰۴ء میں ۷ء۱۴۸۹ بلین ڈالر ہوگئی، (IMF, "International Financial Statistics," various monthly issues and yearbooks for 2000 and 2004) ان دو برسوں میں اپریل کے مہینے کے دوران عالمی تجارت کی یومیہ اوسط قدر بالترتیب ۶ء۱۶ بلین ڈالر اور ۷ء۴۹ بلین ڈالر رہی۔

۳۱ : اپریل ۲۰۰۱ء میں یومیہ کاروبار میں ہونے والی کمی، جس کی نشاندہی حاشیہ ۲۹ میں کی گئی ہے، اسپاٹ مارکیٹوں میں بہت مشہور ہوئی تھی، جس میں یومیہ کاروبار ۵۶۸ بلین ڈالر سے گر کر ۳۸۷ بلین ڈالر رہ گیا تھا۔ فارورڈز میں تجارت ۱۲۸ بلین ڈالر سے بڑھ کر ۱۳۱ بلین ڈالر ہوگئی تھی جبکہ خراب صورت حال میں یہ ۷۳۴ بلین ڈالر سے گھٹ کر ۶۵۶ بلین ڈالر تک نیچے آ گئی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(BIS, op. cit. and Table 1 on page.3)

32: Crockett, "Pillar to the Bolster Global Finance," 3.

33: Greenspan, "Globalization of Finance,"3.

34: See the address entitled "Imbalances in the US Economy" by Donald Kohn, member of the Board of Governors of the US Federal Reserve System, on 22 April 2005 at the 15th Annual Hyman Minsky Conforenece at the Levy Economic Institute of Bard College, Annandale in Huston, New York.

35: Kohn, op. cit., 1-2.

36: *Economist*, "America's Economy," 87.

37: Kohn, op. cit.,1.

38: Edwards, op. cit., Calomiris,op. cit. and Stiglitz, "Boats, Planes and Capital Flows."

39: Edwards, op. cit., 1919.

40: Meltzre, op. cit. Calomiris, op. cit. and Yeager, "How to Avoid International Financial Crises."

41: IMF, "World Economic Outlook," May 1998, 82.

42: Hicks, "Limited Liability," 14.

43: Rogoff. "International Institutions for reducing Global Financial Instability," 40.

© rasailojaraid.com